وعظ

تعظیم الشعائر

دعوت و تبلیغ نمبر ۱۳۰

طبع اول ۲۰۰۰

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

شعبۂ نشر و اشاعت
دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ فون: ۳۵۳۲۸۰/۴۴۸۰۶۰ مئی ۱۹۹۲ء

وعظ

تعظیم الشعائر ۱

قربانی کے احکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شر ور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ و اصحابہ و بارک وسلم

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قال اللہ تبارک و تعالیٰ ذلک و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب

ترجمہ: یعنی یہ بات بھی ہو چکی اب ایک بات اور سن لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی علامات کی تعظیم کرے گا۔ تو ان کا یہ تعظیم کرنا خدائے تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔

۱۔ علامات

تمہید

میں نے تقریباً" دو جمعہ پہلے کچھ ترغیب[1] ترہیب[2] متعلق قربانی کے بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ ضروری احکام اس کے متعلق بیان کروں گا۔ لیکن بوجہ اضمحلال طبیعت اور تکان سفر کے موقع نہ ملا تھا۔ آج اس وعدہ کا ایفا[3] کرتا ہوں۔ یہ آیت سورہ حج کی ہے۔ ان آیتوں میں مع سیاق و سباق[4] کے قربانی کے احکام مذکور ہیں۔ ہرچند کہ یہ احکام حج کی قربانی کے متعلق ہیں مگر اکثر احکام اضحیہ[5] اور حج کی قربانی کے مشترک ہیں اس لئے اس آیت کو میں نے اختیار کیا خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ[6] جس میں قربانی وغیرہ کے تمام احکام داخل ہو گئے ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ذلک یہ مبتدا ہے خبر اس کی محذوف[7] ہے یا خبر ہے مبتدا اس کا محذوف ہے۔ مطلب اس جملہ کا قریب قریب اس کے ہے جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ یہ بات گذشتہ تو ختم ہو گئی اب ایک اور بات سنو۔ اس سے کلام سابق اور کلام لاحق میں فصل ہو جاتا ہے۔ عربی میں اس غرض کے لئے مفید لفظ ذلک ہے اور دوسری کتب مولفہ و مصنفہ میں گو ایسے الفاظ کم وارد ہوتے ہوں، لیکن قرآن مجید کا طرز تصنیف و تالیف کا نہیں بلکہ محاورات و عادات کے موافق ہے۔ مصنفین کا طرز دوسرا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ دوسری بات سنو کہ جو شخص اللہ کے شعائر یعنی علامات کی تعظیم کرے گا جزا آگے ہے۔

مفہوم شعائر

اول دو چیزیں سمجھنا چاہئیں اول یہ کہ شعائر کیا ہیں اور ان کی تعظیم کیا ہے۔ شعائر بہ معنی علامات اعمال ہیں دین کے۔ اس لئے کہ ان اعمال سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دیندار ہے جیسے نماز، حج وغیرھما۔ اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ تو خود دین ہے، علامت دین کے کیا معنی؟ بات یہ ہے کہ ہر شے کی ایک صورت ہوا کرتی ہے اور ایک حقیقت اور وہ صورت علامت ہوتی ہے وجود حقیقت پر۔ اسی طرح دین کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت مثلاً" صلوٰۃ ارکان مخصوصہ[8] اس کی صورت ہے اور حقیقت صلوٰۃ جدا شے ہے۔ جس کا تعلق زیادہ قلب سے ہے چنانچہ اگر ایمان و نیت نہ ہو، حقیقت نماز کی نہ پائی جائے اور ان دونوں کا تعلق ظاہر ہے کہ

۱۔ رغبت دلانا ۲۔ ڈرانا ۳۔ وعدہ پورا کرتا ہوں ۴۔ پہلی اور بعد کی آیات ۵۔ قربانی ۶۔ ایک اصول ۷۔ چھپی ہوئی ۸۔ خاص ارکان

قلب[1] سے ہے اسی طرح ہر عمل کو سمجھنا چاہیے۔ پس صورت دین اور شے ہوئی اور حقیقت دین شے[2] آخر۔ اور یہ صورتیں اعمال کی علامات ہیں دین کی، ان کو ہی شعائر[3] فرمایا ہے۔ پس مفہوم شعائر کا متعین[4] ہو گیا۔

تعظیم شعائر

اب تعظیم شعائر کی حقیقت معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کیا ہے۔ تعظیم شعائر یہ ہے کہ ان اعمال کا حق جس طرح شریعت مطہرہ[5] نے حکم فرمایا ہے ادا کیا جائے۔ حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جو شخص اعمال دین موافق احکام الٰہیہ ادا کرے۔ اب اس ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ مضمون عام ہے قربانی اور غیر قربانی سب اس میں داخل ہیں۔ میں نے جو اول اس مضمون کے عموم[6] کا دعویٰ کیا تھا وہ ثابت ہو گیا۔ خلاصہ پوری آیت کا یہ ہے کہ جو شخص علامات دین یعنی اعمال کی تعظیم کرے گا یعنی ان کو موافق شریعت کے ادا کرے گا۔ فانھا یعنی یہ ان اعمال کی تعظیم من تقوی القلوب قلوب کے تقویٰ سے ناشی[7] ہونے والی ہے یعنی یہ علامت ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف اس شخص کے دل میں ہے کیونکہ خوف خدا ہی ایک ایسی شے ہے جو تعظیم شعائر اللہ کا باعث ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حکومت سے بھی تعظیم شعائر کی متصور[8] ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حکومت سے جو تعظیم ہو گی وہ صورت تعظیم ہو گی۔ تعظیم کی جو حقیقت ہے وہ نہ ہو گی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین نماز پڑھتے تھے لیکن اس لئے نہ پڑھتے تھے کہ خدا ہم سے راضی ہو۔ بلکہ یہ غرض تھی کہ مسلمان ہم سے راضی ہو جائیں۔ بتلائیے کہ حکومت سے حقیقت کہاں پائی گئی پس جو کوئی تعظیم شعائر اللہ کی کرے گا وہ قلوب کے تقویٰ ہی سے ہو گی۔ یعنی خوف خدا ہی اس کا منشا ہو گا۔ کسی قاعدے اور قانون اور ضابطے سے نہ ہو گی۔ اور جملہ فانھا من تقوی القلوب (یعنی ان کی تعظیم قلوب کے تقویٰ سے ہوتی ہے) قائم مقام جزا کے ہے اور اس جزا کی علت ہے جزا محذوف ہے اور جزا یہ ہے۔ فانہ متق قلبہ (اس کا قلب متقی ہے) یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے۔ اس کا قلب متقی ہے کیونکہ یہ تعظیم تقویٰ ہی سے ہوتی ہے۔

۱۔ دل ۲۔ دوسری چیز ۳۔ علامات ۴۔ واضح ۵۔ پاکیزہ شریعت ۶۔ عام ہونے ۷۔ پیدا ہونے والی ۸۔ تصور کی جا سکتی ہے

اور قلوب کا لفظ جو بڑھایا ہے اس سے ایک مسئلہ واضح ہو گیا' وہ یہ کہ تقویٰ قلب کی صفت ہے چنانچہ حدیث شریف بھی ہے التقوی ههنا واشار الی صدرہ یعنی تقویٰ اس جگہ ہے اور آپ نے اپنے قلب کی طرف اشارہ کیا۔

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض اپنے کو متقی جاننے سے متقی نہیں ہوتا جب تک قلب اضداد[1] تقویٰ سے پاک نہ ہو۔ البتہ دوسروں کی نسبت تو یہ عمل چاہیے کہ۔

ہر کرا جامہ پارسا بنی   پارسا بین و نیک مرد انگار

(جس شخص کو پارسائی لباس میں دیکھو اس کو پارسا اور نیک مرد سمجھو)

تقویٰ کا گھمنڈ

لیکن اپنے کو متقی جاننا جیسا آج کل مرض ہے یہ آفت ہے حالانکہ دیکھتا ہے کہ میرے قلب میں سینکڑوں امراض مثل کینہ' حسد' حب دنیا' حب مال[2]' حب جاہ[3] موجود ہیں لیکن چونکہ داڑھی بڑھا رکھی ہے' ٹخنوں سے اوپر پاجامہ ہے' کرتا نیچا ہے' ہاتھ میں تسبیح' اس لئے لوگ متقی سمجھتے ہیں اور ان کے متقی سمجھنے سے خود اس کو بھی یقین ہو گیا کہ آخر یہ سب لوگ جھوٹے تو ہیں نہیں' کچھ تو بات ہے جو مجھ کو ایسا سمجھتے ہیں۔ جیسے کسی بے وقوف کے پاس ایک شریر گھوڑا تھا۔ ہرچند اس کو دباتا تھا اور قابو میں لاتا تھا' لیکن وہ رسید ہی نہ دیتا تھا۔ کسی نے کہا کہ اس کو بیچ دو' مالک صاحب نے کہا کہ آپ ہی اس کو بکوا دیں۔ اس شخص نے چوک میں کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا کہ یہ گھوڑا بکتا ہے اور ایسا قدم[4] باز ہے کہ اپنا نظیر[5] نہیں رکھتا اور طرح طرح کے اوصاف اس کے بیان کئے۔ مالک صاحب یہ سن کر کہنے لگے کہ میاں اگر ایسا ہے تو لاؤ میں ہی نہ رکھوں' کیوں بیچوں۔ اس نے کہا کہ کیا تمہارا عمر بھر کا تجربہ میرے چند الفاظ سے جاتا رہا۔ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ صریحا[6] دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اندر ریا[7]' فریب' حسد' شہوت' غضب[8] کا اتباع[9] موجود ہے اور تمام عمر گذر گئی کہ نفس سے سابقہ[10] پڑ رہا ہے سرکشی اس کی مشاہد[11] ہے کہ چاہتے ہیں کہ فلاں کام کرے اور نہیں کرتا ہے' ان سب امور[12] پر تو خاک ڈال دی اور یقین کس چیز پر آیا کہ ساری بستی کے لوگ مجھ کو بزرگ سمجھتے

۱۔ تقویٰ کے خلاف چیزوں سے ۲۔ مال کی محبت ۳۔ عہدہ کی محبت ۴۔ تیز رفتار ۵۔ مثال ۶۔ صاف طور پر ۷۔ دکھاوا ۸۔ غصہ ۹۔ پیروی ۱۰۔ واسطہ ۱۱۔ دیکھنے میں آ رہی ہے ۱۲۔ باتوں

ہیں اس لئے میں بزرگ ہوں۔

دوسری حکایت اور یاد آئی' ایک میاں جی تھے۔ وہ لڑکوں کو بہت دق کرتے تھے' لڑکوں نے آپس میں صلاح کی کہ جیسے یہ دق کرتے ہیں ان کو بھی دق کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک لڑکا مکتب میں آیا اور السلام علیکم کہہ کر میاں جی سے کہا میاں جی! کیا بات ہے آج کچھ چہرہ اداس سا ہے۔ دوسرا آیا حافظ جی کیا کیفیت ہے طبیعت تو اچھی ہے۔ تیسرا آیا خیر تو ہے کچھ بخار کا اثر چہرہ سے نمایاں ہے غرض حافظ جی کو اس کہنے سننے سے یقین ہو گیا کہ میں یقیناً" بیمار ہوں گھر آ کر لیٹ گئے بی بی سے لڑائی شروع کی کہ تمام لڑکوں نے عیادت[1] کی مگر تو نے نہیں کی۔ غرض خوب لڑائی ہوئی۔ یہ حکایت مولانا یہ کہہ کر فرماتے ہیں کہ ارے احمق! تو لوگوں کی تعظیم و تکریم سے اوہام میں مبتلا ہو گیا ہے' اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے اور کچھ بزرگی پر منحصر نہیں بلکہ ایسی ہی بنا پر کسی کو ریاست کا گھمنڈ ہے کسی کو مولویت کا کسی کو بہادری کا۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک اونٹ پہاڑ کے نیچے کو نہیں گذرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ مجھ سے اونچا کوئی نہیں اور جب پہاڑ پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اور مخلوق بھی مجھ سے بلند ہے' اس لئے رئیس کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے رئیس کو دیکھے۔ مولوی کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے مولوی کو دیکھے اور آج کل کی کیا ریاست اور کیا مولویت۔ ریاست تو یہ ہے کہ' کسی غریب کو دو دھیلے تگوا دیئے یا اس پر چوکیدارہ بڑھوا دیا۔ کسی غریب کی گھاس چھین لی۔ چار پیسے کی شے دو پیسے میں لے لی۔ یہ تو ریاست ہے۔ مولویت یہ ہے کہ چند مسئلے یاد کر لئے مولوی بن بیٹھے مینڈک جب تک کنوئیں میں مقید ہے سمجھتا ہے یہی عالم ہے۔ ہر فن والے کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے پر نظر کرے۔

نظر حقیقت بین

اور بالفرض اگر کوئی اس سے بڑا نہ ہوتا کہ اس پر نظر کرے تو حق تعالیٰ تو ہر صفت کمال میں سب سے بڑے ہیں۔ ممکن کی صفت[2] کمال ہی کیا' مستعار[3] اور معرض زوال[4] میں ہیں حقیقی صفت کمالیہ کے ساتھ تو حق تعالیٰ شانہ' ہی موصوف ہیں اور جن حضرات کی نظر حقیقت بین ہو گئی ہے ان کی نظر میں اپنا وجود ہیچ در ہیچ ہو گیا ہے اسی واسطے بزرگان دین قسمیں کھا کھا

۱۔ بیمار پرسی ۲۔ کمال کی ہر خوبی میں ۳۔ مانگا ہوا ۴۔ زائل ہونے کے قریب

کر کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں۔ ایک دوست نے دریافت کیا کہ فلاں بزرگ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ اگر سچے ہیں تو بزرگ نہیں اور اگر واقع میں بزرگ ہیں تو جھوٹی قسم کیوں کھائی۔ میں نے کہا کہ وہ سچے ہیں اور بزرگ بھی ہیں اور یہی بزرگی ہے کہ ان کی نظر کمالات خداوندی پر ہے اور کمالات خداوندی کے سامنے کوئی شے نظروں میں نہیں آتی۔ جیسے طلوع شمس سے ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ستارے رہتے ہیں۔ جیسے شیخ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ کسی نے جگنو سے پوچھا تھا کہ تو دن کو کہاں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔

کہ من روز وشب جز بصحرا نیم ‏ ‏ ‏ ولے پیش خورشید پیدا نیم

(یعنی میں رات دن سوائے جنگل کے کہیں اور نہیں رہتا۔ لیکن آفتاب کے سامنے ظاہر نہیں ہوتا ہوں)۔

پس حضرت حق کے سامنے کسی کا کوئی کمال نہیں اس لئے ان بزرگ کی قسم سچی ہے۔ حتی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے کو ہیچ سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ کے روبرو کوئی بڑا نہیں' سب چھوٹے ہیں ولہ الکبریاء فی السموت والارض (اسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں) پس چند آدمیوں کے کہنے سے کہ آپ شاہ صاحب ہیں یا مولوی صاحب ہیں یا رئیس صاحب ہیں کیا ہوتا ہے۔

صاحبو! اگر ہمارا ظاہر و باطن یکساں بھی ہوتا تب بھی اس دلیل مذکور سے ثابت ہو گیا کہ ہم کو اپنے کو صاحب کمال نہ سمجھنا چاہیے چہ جائیکہ[1] ہمارا تخالف[2] ظاہر و باطن کا یہ ہے کہ

از بروں چوں گور کافر پر حلل ‏ ‏ ‏ واندروں قہر خدائے عزوجل

(ظاہری حالت ہماری ایسی ہے جیسے کافر کی قبر باہر سے مزین ہوتی ہے اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب نازل ہوتا ہے)۔

واللہ! اگر ٹٹول کر دیکھا جائے تو ہمارے قلب میں وہ خرافات ہیں کہ اگر دوسروں کو معلوم ہو جائیں تو کوئی پاس بھی نہ بیٹھنے دے۔

۱۔ کہاں یہ کہ ۲۔ اختلاف

حقیقت تقویٰ

بات یہ ہے کہ تقویٰ کی حقیقت ہی اب تک معلوم نہیں ہوئی جو اپنے کو متقی سمجھ بیٹھے۔ صورت تقویٰ اور شے ہے اور حقیقت تقویٰ جدا شے ہے۔ اور ظاہر میں صورت تقویٰ والا اور حقیقت والا یکساں ہے۔

انچہ مروم میکنند بوزینہ ہم
جو کچھ آدمی کرتے ہیں بندر بھی اس کی نقل کرتا ہے

آپ بھی مکان بناتے ہیں اور بچے بھی بناتے ہیں' ریت جمع کرتے ہیں اور اس سے مکان یعنی صورت مکان بناتے ہیں' کہتے ہیں کہ یہ میری سہ دری ہے' یہ میرا دالان ہے' یہ میرا دروازہ ہے۔ آپ اپنے گھر کے سامنے اس ریت کے گھر کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بصیرت کی نظر میں ہمارے اعمال خالی عن الحقیقت[1] حقیر ہیں غرض نقل اور صورت شے اور شے ہے اور حقیقت اور چیز ہے۔ تقویٰ[2] کی جڑ قلب میں ہے اگر جڑ ہو گی تو پھول ہمیشہ شاداب رہیں گے اور اگر پھول توڑ کر گلدستہ بنایا جائے تو دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں' لیکن چونکہ ان کی جڑ نہیں دو روز میں سیاہ ہو جائیں گے۔ حق تعالیٰ اسی کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔ **الم تر کیف ضرب اللہ مثلا" کلمت طیبت کشجرۃ طیبت اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء** (کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ یعنی کلمہ توحید کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ خوب[3] محکم ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں)۔ اس کا حاصل بھی وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ قلب میں ہوتا ہے اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ نے صاف لفظوں میں فرمایا الا ان التقوی ھھنا و اشار الی صدرہ (آگاہ رہو کہ تقویٰ اس جگہ ہے اور آپ نے اپنے قلب کی طرف اشارہ کیا) جیسا مذکور[4] ہوا۔ پس ظاہری تقویٰ گلدستہ کے پھولوں کی طرح ہے کہ رہتا نہیں بہت جلد قلعی کھل جاتی ہے۔ یہی بات عمر بھر چلتی ہے اسی حقیقت کی تمنا اور صورت بے معنی کی عدم اعتماد[5] کی نسبت[6] عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

۱۔ حقیقت سے خالی ۲۔ پرہیز گاری ۳۔ مضبوط ۴۔ ذکر ہوا ۵۔ اعتماد نہ ہونے ۶۔ متعلق

صنمارہ قلندر سزدار عمن نمائی   کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(زہد خشک جو حقیقت سے خالی ہے، بہت دور و دراز کا رستہ ہے مجھے تو طریق عشق میں جو حقیقت سے پر ہے چلایئے)۔

خیر یہ ایک مستقل مسئلے کی طرف اشارہ تھا جس پر اضافت تقویٰ کی قلوب کی طرف دال[1] ہے۔ باقی اصل مقصود[2] بیان کرنا اس بات کا ہے کہ جو اعمال کرو وہ حکم کے موافق کرو۔ منجملہ ان اعمال کے قربانی بھی ہے اس کو بھی حکم کے موافق ادا کرنا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر کام اس کی غایت[3] کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے اور اعمال[4] شرعیہ میں غایت رضائے حق[5] ہے تو جب ضابطے کے موافق نہ ہو گا تو رضا کے فوت ہونے سے وہ عمل بے کار ہو جائے گا۔ بعض ضوابط مذکور ہوتے ہیں۔

صحت قربانی

سو جاننا چاہیے کہ قربانی کے اندر دو قسم کی خرابیاں لوگ کرتے ہیں، بعض تو مقبول ہونے کی رعایت نہیں کرتے اور بعض صحیح ہونے پر بھی نظر نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک مقام پر ایک شخص نے دوسرے سے کہہ دیا کہ بھائی میرے بھی دو حصے کر دیجیو! قربانی کے حصے تو لے لئے اور خود غائب ہو گئے اور دام[6] بھی نہ دیئے عقلائے[7] وقت اس میں مختلف[8] ہیں کہ تباہی قوم کا کیا سبب ہے۔ میرے نزدیک تو اصل سبب تباہی کا بد معاملگی ہے۔ بعض قوم کے ریفارمر[9] کہتے ہیں کہ سود کے بند کرنے سے تباہی آئی۔ جو قومیں سود لیتی ہیں وہ خوب ترقی کر رہی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی بہت سے سود لیتے ہیں لیکن ان کے کچھ بھی کام نہیں آتا کیونکہ مال سے مقصود تمتع[10] دنیوی ہے اور سود خور جمع کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور بسا اوقات[11] جن کے لئے جمع کرتے ہیں ان کو بھی نہیں ملتا ہے اور فرض کرو اگر متمتع[12] بھی ہوئے تو روحانی ضرر[13] سے تو خالی رہتے ہی نہیں یعنی سخت دل ہو جاتے ہیں کسی پر ان کو رحم نہیں آتا کسی کی مصیبت سے ان کا دل نہیں دکھتا اور اپنے رشتہ دار سے بھی سود نہیں چھوڑتے جیسے بیرسٹروں کا حال ہے کہ وہ اپنوں کو بھی نہیں چھوڑتے سمجھتے ہیں کہ اگر ان سے نہ لیا تو نرخ بگڑ جائے گا

۱۔ دلیل ۲۔ مقصد ۳۔ غرض ۴۔ شریعت کے اعمال میں ۵۔ اللہ کی رضا ۶۔ رقم ۷۔ زمانے کے عقلمند ۸۔ اختلاف کرتے ہیں ۹۔ محققین ۱۰۔ نفع ۱۱۔ اکثر ۱۲۔ نفع ۱۳۔ روحانی نقصان

اور اکثر سود خواروں کو ترقی دنیوی بھی نہیں ہوتی۔ اکثر سود خواروں کا مال ضائع ہی ہوتے دیکھا اور فرض کرو اگر ترقی بھی ہوئی تو جب دین برباد ہوا تو اس ترقی کو لے کر کیا کریں گے۔

مبادا دل آں فرو مایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دین بباد
(خدا کرے اس کمینہ کا دل کبھی خوش و خرم نہ ہو جو دنیا کی وجہ سے دین بربار کردے)

یہ تو دینی غلطی تھی کہ سود کو ترقی کا سبب قرار دیا۔ دوسرے ایک دنیوی غلطی بھی ہے وہ یہ ہے کہ ترقی کا سبب وہ شے ہو سکتی ہے جس سے عام لوگ منتفع[۱] ہوں اس لئے کہ ترقی یافتہ وہی قوم ہوگی جس کے سب افراد کو ترقی ہو اور عام طور سے ان میں غنی[۲] پیدا ہوں اور سود ایسی شے ہے کہ ساری قوم میں شائع[۳] نہیں ہو سکتا اول تو سب کے پاس مال نہیں، دوسرے آخر لے گا کون! اس لئے لامحالہ[۴] بعض لیں گے اور بعض نہیں، تو جو لیں گے وہ ترقی کریں گے اور جو نہیں لیں گے وہ ترقی نہیں کریں گے۔ بلکہ جو دیں گے وہ تباہ ہوں گے۔ پس یہ طریقہ ترقی کا نہیں ہو سکتا۔ ترقی کا صحیح طریقہ خوش معاملگی[۵] اور اعتبار ہے مسلمانوں میں خدا کے فضل سے افلاس[۶] نہیں مسلمانوں میں تاجر، اہل ملک رئیس سب طرح کی مخلوق ہے مگر بات کیا ہے کہ دوسری قوموں کو سود دیتے ہیں اس وجہ سے تباہی آتی ہے تو ایسی صورت ہونا چاہیے کہ سود نہ دینا پڑے۔ اور وہ طریقہ صرف خوش معاملگی ہے۔ تفصیل اس اجمال[۷] کی یہ ہے کہ مسلمان کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اپنے بھائیوں سے بلاسودی ملتا نہیں۔ اس لئے غیر قوم سے سودی قرض لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور تباہ ہوتے ہیں اور بے سود قرض نہ ملنے کی وجہ یہ نہیں کہ دوسرے مسلمانوں کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ ابھی میں عرض کر چکا ہوں کہ مسلمانوں میں بہت مالدار ہیں، لیکن وہ بوجہ خوف بدمعاملگی[۸] کے قرض نہیں دیتے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ خود چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی امداد کریں اور ان کو قرض دیں مگر ڈرتے ہیں کہ دے کر کیا لے لیں گے۔ اگر خوش معاملگی مسلمانوں میں شائع ہو جائے تو خود آپس ہی میں ایک دوسرے کی حاجت پوری ہوتی رہے۔ اور سود دینے کی ضرورت نہ پڑے تو جو تباہی کا سبب ہے وہ رفع[۹] ہو جائے پس ثابت ہوا کہ بدمعاملگی تنزل[۱۰] کا سبب ہے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ کسی کا روپیہ لے کر دینا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ اگر کسی غریب کے چار پیسے ہوں گے وہ

۱۔ نفع حاصل کریں ۲۔ مال دار ۳۔ پھیل نہیں سکتا ۴۔ لازمی طور پر ۵۔ اچھا معاملہ ۶۔ غربت ۷۔ اختصار ۸۔ برا معاملہ ۹۔ دور ۱۰۔ زوال

بھی ٹال کردیں گے اور اس کو لازمہ ریاست[1] سمجھتے ہیں کہ ہم سے تقاضہ کرنے کی مجال نہیں ہوئی۔ اسی طرح قرض خواہ کو نہ دیں گے اور بہانہ کردیں گے کہ بھائی ابھی خرچ آیا نہیں۔ اور اسی حالت میں اگر بچے کی ختنہ درپیش ہو جائے یا کوئی شادی کرنا ہو تو بہتیرا روپیہ اگل دیں گے۔ غرض بدمعاملگی کا مرض عام ہے۔ چنانچہ ان صاحب نے یہ بدمعاملگی کی کہ حصے تو قربانی کے لے لئے اور خود غائب ہو گئے۔ اب گائے ذبح ہو گئی اور گوشت کی بوٹیاں بن گئیں اور وہ حصے والے موجود نہیں اب دام کس سے لیں۔ ایک مجتہد[2] صاحب بولے کہ بھائی وہ تو ب ہو گئے اب کوئی اور لے لو جس کو دو حصے قربانی کے لینے ہوں۔ وہ بھلے مانس سمجھے کہ گوشت مقصود[3] ہے حالانکہ قربانی سے مقصود گوشت نہیں بلکہ اراقتہ دم للہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے لئے ایک جانور کا خون بہانا ہے) اگر شریک کی نیت بھی گوشت کی ہو گی تو سب کی قربانی برباد ہو گی غرض مقصود اللہ کے واسطے ایک جان کا خون بہانا ہے۔ اور گوشت کا تو اختیار ہے خواہ خود کھاؤ یا کھلاؤ۔ ہاں اگر کوئی گائے ایسی ہوتی کہ۔

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(ہر وقت غیب سے اس کو ایک جان عطا ہوتی ہے)

کی مصداق[4] ہوتی ہے تو اس کی دو مرتبہ قربانی ہو سکتی تھی۔ غرض ایک شخص عقلمند بھی مل گیا' جس نے کٹے ہوئے وہ دو حصے خرید لئے اور بزعم[5] خود اپنی قربانی درست سمجھ لی اور ان ظالموں نے مل کر اس خریدار گوشت کی قربانی برباد کی بعض صورتیں ناواقفی سے ایسی پیش آجاتی ہیں کہ قربانی قبول تو کیا صحیح بھی نہیں ہوتی۔

مقبولیت قربانی

اور بعض صورتوں میں گو صحیح ہو جائے مگر قبول نہیں ہوتی۔ کانپور میں ایک مستری تھے انہوں نے ایک بھیڑ خریدی کوئی عیب ایسا نہ تھا جو اس میں نہ ہو لیکن ہر عیب تہائی سے کم تھا۔ ضابطے اور قانون کی رو سے اس بھیڑ کی قربانی جائز تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ میاں ایسی بھیڑ کیوں کرتے ہو کیا اچھا جانور میسر نہیں آتا' کہنے لگے واہ ہماری بیوی کہتی ہیں کہ جائز ہے

۱۔ ریاست کی خصوصیات ۲۔ اجتہاد کرنے والے ۳۔ مقصد ۴۔ کے مطابق ۵۔ اپنے گمان میں

اور گھر پہنچے بیوی سے تذکرہ کیا کہ ایک شخص نے تمہارے مسئلے پر اعتراض کیا، بیوی نے فورا" اردو کا شرح وقایہ نکالا اور قربانی کا بیان نکال کر وہاں نشانی رکھ کر باہر بھیج دیا کہ دکھلا دو ان کو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر قربانی ہو بھی گئی یعنی ضابطے کی رو سے اس کی صحت کا حکم کر دیا گیا۔ لیکن ایسی قربانی کیا قبول ہو سکتی ہے جس کو یہ شخص مخلوق کے لئے پسند نہ کرے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لن ینال اللہ لحو مھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقوی منکم (اللہ تعالیٰ کے یہاں قربانی کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن ان کے پاس تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نیت کو دیکھتے ہیں کہ ہمارے نام پر اس نے کتنی پیاری شے کو خرچ کیا ہے اور جب ایسی خوبصورت قربانی ہو گی، تو نیت کا حال اس سے خود ہی معلوم ہوتا ہے کہ کیسی ہے تو کیا قبول ہونے کی امید ہے ہاں اگر اس سے اچھی میسر ہی نہیں تو وہ دوسری بات ہے۔ دیکھئے! اگر حاکم ضلع کسی رئیس سے فرمائش کرے کہ ہمارے واسطے ایک گائے لاؤ۔ تو سچ بتلاؤ کیسی گائے لے جاؤ گے؟ خصوصا" اس صورت میں جبکہ یہ بھی معلوم ہو کہ جس قدر عمدہ گائے ہم لے جائیں گے، حاکم ہم سے خوش ہو گا۔ کان، ناک، آنکھ، ہاتھ پاؤں سب کی ہی خوبصورتی کا خیال کریں گے۔ حتی الوسع قیمتی اور خوبصورت کی تلاش ہو گی۔ افسوس کی بات ہے کہ ایک ادنی حاکم مجازی[1] کہ جس سے نفع پہنچنا موہوم، اس کی یہ رعایت اور حاکم حقیقی[2] جس کی طرف سے ہر وقت نعمتوں کی بارش ہم پر ہے وہ ایک جانور مانگتے ہیں اور وہ بھی ہمارے ہی نفع کے لئے اس میں اس قدر تساہل[3]۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ بقرہ کے ختم کے شکریہ میں ایک اونٹنی ذبح کی تھی اس کی ان کو تین سو اشرفیاں ملتی تھیں مگر دی نہیں اور اللہ کے نام پر اس کو ذبح کر دیا۔ ایک اشرفی دس درم کی ہوتی تھی اور ایک درم سوا چار آنہ کا تخمینا" ہوتا ہے حساب لگا لیجئے، اب تو اگر عمدہ جانور لیتے بھی ہیں تو اس میں بھی خلوص نہیں ہوتا اس میں بھی یہ چاہتے ہیں کہ نام ہو جائے۔

شرائط قبولیت و صحت

حاصل کلام یہ کہ دو قسم کے احکام کی ضرورت ہے ایک تو وہ جو موقوف علیہ[4] صحت کے ہیں۔ دوسرے وہ جن پر قبولیت موقوف ہے۔ قبولیت کے لئے تو خوشدلی کی ضرورت ہے۔

۱۔ معمولی دنیاوی حاکم ۲۔ خداوند تعالیٰ ۳۔ سستی ۴۔ جن پر صحت موقوف ہے

کراہت اور غرض فاسد کی آمیزش سے اس کو پاک کرے اور صحت کی شرائط بتلانا ضروری ہیں۔ چنانچہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں تعظیم شعائر سے مراد عرض کر چکا ہوں کہ اعمال کو حکم کے موافق ادا کرنا ہے' جس کے عموم میں قربانی بھی داخل ہے اس کو بھی احکام کے موافق ادا نہ کی تو قربانی صحیح نہ ہو گی اس لئے ان احکام کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

اور یہاں پر ایک اور بات پر بھی تنبیہہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تعمیل حکم کو تعظیم[1] سے تعبیر فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ احکام پر وہ شخص عمل کر سکتا ہے جس کے دل میں ان احکام کی عظمت ہو' اور جس کے دل میں عظمت نہ ہو وہ حیلے[2] نکالتا ہے اور احکام کی علل[3] پوچھتا ہے۔ اگر عظمت ہو تو بلا چون و چرا تسلیم کر لے۔

آج کل اس مرض میں بھی بہت لوگ مبتلا ہیں کہ احکام کی علت کی تحقیق میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اس مرض کا علاج دو چیزیں ہیں' اول قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت پیدا کرنا۔ اگر عظمت پیدا ہو گی تو یہ سوال زبان پر تو کیا دل میں بھی خطور[4] نہ کرے گا۔ دیکھو ایک سپاہی سے اگر کلکٹر یہ کہتے کہ یہ چھٹی فلاں شخص کو دے آؤ تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرے گا اور یہ نہ کہے گا کہ صاحب میں تو جب جاؤں گا جب یہ بتلا دو کہ آپ کیوں بھیجتے ہیں اور اس میں کیا مضمون ہے۔ اگر کہے گا تو کان پکڑ کر نکال دیا جائے گا۔ پس مانع اس سوال سے صرف عظمت حاکم کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو احکام کی علل[5] کے پیچھے پڑے ہیں ان کے قلب میں ان احکام کی اور حاکم حقیقی کی عظمت نہیں ہے۔ دوسرا علاج اس کا محبت ہے اگر محبت کسی سے ہوتی ہے تو محب[6] اس کے احکام کی بلا تامل[7] تعمیل کرتا ہے۔

آثار محبت

دیکھو' اگر کوئی کسی کسبی یا لڑکے پر عاشق ہو جائے اور وہ یوں کہے کہ میں جب راضی ہوں کہ جب تو اپنی بیوی کے گلے کا ہار مجھ کو لا دے۔ اگر محبت میں سچا ہے تو فوراً لے آئے گا اور علت سے ہرگز سوال نہ کرے گا۔ افسوس ہے کہ ایک مردار کی تو یہ اطاعت اور خداوند جل جلالہ کے احکام کی علتیں پوچھی جاتی ہیں اور ستہزا[8] کیا جاتا ہے۔ ایسا شخص بڑا منحوس اور بدبخت ہے۔

۱۔ تعظیم کے لفظ سے بیان کرنا ۲۔ بہانے بنانا ۳۔ وجہ ۴۔ دل میں کھٹک پیدا نہ کرے گا ۵۔ وجہ ۶۔ محبت کرنے والا ۷۔ بے تکلف ۸۔ مذاق

عشق مولی کے کم از لیلی بود　　گوئے گشتن بہراو اولی بود
در رہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجاں　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(خدائے تعالیٰ کا عشق لیلے کے عشق سے کب کم ہوئے۔ محبوب حقیقی کے لئے تو گیند ہونا ہر حیثیت سے اولے و بہتر ہے منزل لیلے کی راہ میں بہت سے خطرات کا سامنا ہے اس راہ میں قدم رکھنے میں اول شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جاؤ۔ یعنی راہ خدا میں بہت سے خطرات پیش آتے ہیں' اس راہ میں قدم رکھنے کی اول شرط یہ ہے کہ محبت پیدا کرو)۔

تو بھائیو! اول محبت پیدا کرو' جب محبت پیدا ہو گی اول تو خود بخود تمام اسرار منکشف[1] ہو جائیں گے اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو زبان تو ضروری بند ہو جائے گی اور بدون[2] اس کے تو اگر کوئی جواب بھی دے دے تو سمجھنے کی قابلیت نہ ہو گی' اس لئے یہ سوال کرنا ایسا ہو گا جیسے کوئی نابالغ پوچھے کہ صحبت کرنے میں کیا لطف ہے تو بھلا وہ کیا سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ جب تم بالغ ہو جاؤ گے اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا مولانا فرماتے ہیں۔

خلق اطفالند جز مست خدا　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(بجز عشق الٰہی کے مست کے تمام مخلوق گویا اطفال ہیں پس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا ہے)

یہ لم کیف[3] نابالغوں کے سوالات ہیں بالغ ہو جاؤ سب سوالات منقطع[4] ہو جائیں گے۔ جس اندھے کی کبھی آنکھیں نہ کھلی ہوں وہ کیا جانے سرخ رنگ کیا ہے۔ اس سے یہی کہا جائے گا کہ آنکھیں کھولو اور دیکھ لو۔ اور اگر نہ دیکھ سکو تو کسی بینا کا اتباع[5] اختیار کرو۔ غرض محبت اور عظمت پیدا کر لو تم کو خود بخود تمام سوالات حل ہو جائیں گے خواہ انکشاف[6] سے خواہ تسلیم و رضا[7] ہے۔

احکام قربانی

اب میں قربانی کے متعلق ضروری احکام بیان کرتا ہوں جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہے۔ اور ان کے نہ جاننے سے قربانی بعض اوقات قبول تو کیا قاعدہ سے بھی صحیح نہیں ہوتی۔ قربانی

۱۔ چھپی باتیں معلوم ہو جائیں گی ۲۔ بغیر ۳۔ یہ علتوں اور کیفیتوں ۴۔ ختم ۵۔ پیروی ۶۔ خواہ کھل کرے۔ خواہ ذہنی طور پر قبول کر لینے سے

کے ساتھ اگر عقیقہ کا حصہ لے لے تو جائز ہے۔ بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ اگر ساتواں دن نہ ہو تو کیا کیا جائے۔ یاد رکھو ساتواں دن ہونا ضروری نہیں صرف مستحب تھا اسی کے متعلق یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ عقیقہ کا مصرف بھی وہی ہے جو قربانی کا ہے اگر تمام گوشت خود رکھو تو بھی کچھ حرج نہیں۔ قربانی نام تو اللہ کے واسطے جان کا قربان کرنا ہے۔ جب جانور ذبح ہو گیا وہ ادا ہو گئی۔ اب گوشت کا اختیار ہے۔

اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اپنے کسی عزیز کی طرف سے قربانی کرتے ہیں اور اس کو اطلاع نہیں ہوتی۔ اس صورت میں قربانی ادا نہیں ہوتی۔ اس میں بڑی احتیاط چاہیے اس لئے کہ اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے گی کہ جس سے ایک حصہ کی قربانی صحیح نہ ہو تو کسی کی بھی قربانی صحیح نہ ہو گی اس لئے کہ قربانی نام اراقۃ دم[1] کا ہے اور وہ قابل تقسیم نہیں جیسے ایک کنواں مشترک ہو اور ایک شریک کہے کہ ہم تو اپنے کنویں میں پیشاب کریں گے۔ ظاہر ہے کہ سارا ہی کنواں ناپاک ہوا اسی واسطے ساجھی اگر بناؤ تو دیندا روں کو بناؤ اور اگر دیندار نہ ملیں تو بہتر صورت یہ ہے کہ جس قدر شریک ہوں وہ کسی عالم کے پاس آجائیں اور سب اپنی اپنی کہہ دیں اور جس طرح وہ عالم فیصلہ کرے اس کے موافق کریں۔

اسی طرح سمجھو کہ اگر ایک حصہ میں کسی نے دو شخص کی نیت کرلی تو اس کا حصہ تو گیا ہی تھا اس کے ساتھ سب کا ہی ضائع گیا۔ جیسے ایک نبی کا انکار کرنا سب انبیاء علیہم السلام کا انکار ہے۔ مولانا نے شاہ یہودی کے قصہ میں یہی مضمون لکھا ہے۔

شاہ احوال کرد در راہ خدا　　　آں دود مساز خدائی راجدا

(اس باطنی احوال (بھینگے) بادشاہ نے دین کے معاملہ میں ان دونوں حضرات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو جو دین میں متحد اور متفق ہیں جدا جدا کر رکھا تھا ایک کی تصدیق کرتا دوسرے کی تکذیب)۔

تو اسی طرح سے قربانی کے لئے میں نے بیان کیا کہ اگر ایک حصہ بھی فاسد ہو گا تو تمام حصے فاسد ہو جائیں گے اور قربانی درست نہ ہو گی۔ سو کسی عالم سے پورا واقعہ صاف صاف بیان کر کے مسئلہ پوچھ لیا کرو۔ مجھ سے بعض لوگوں نے یہ مسائل پوچھے ہیں اس لئے میں کہتا

[1] خون بہانا

ہوں کہ ان کی طرح کہیں اور کسی نے بھی ایک حصہ میں گھر بھر کے لئے نیت نہ کرلی ہو اگر ایک ہی کی طرف سے حصہ کرو تب بھی اس کو خبر کردو۔

میت کی طرف سے قربانی

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کریں یا نہیں اور اگر کریں تو کیونکر کیا کریں تو قربانی مردوں کی طرف سے بھی جائز ہے۔ ماں باپ' پیر' استاد' حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کر سکتے ہیں مگر ایک حصہ کئی مردوں کی طرف سے درست نہیں۔

اور شاید کسی کو اس حدیث سے شبہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی قربانی میں ساری امت کو یاد فرماتے تھے۔ اور اس سے کوئی سمجھ جائے کہ آپؐ نے ایک حصہ میں ساری امت کو شریک کیا تو ہمیں بھی جائز ہے کہ ایک حصہ میں کئی آدمی شریک ہو جایا کریں۔ تو کچھ خبر بھی ہے کہ وہ کس کا حصہ تھا! وہ ایک حصہ لاکھوں کے برابر تھا۔ یہ تو عاشقانہ جواب ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ آپؐ نے قربانی سب کی طرف سے نہیں کی تھی بلکہ اپنی طرف سے کر کے ثواب ساری امت کو بخش دیا۔ جیسے تم نفل قربانی صرف اپنی طرف سے کردو اور پھر اس کا ثواب کئی آدمیوں کو بخش دو یہ جائز ہے باقی یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آپؐ نے امت کو ثواب بخشا تو امت اس وقت موجود کہاں تھی جواب یہ ہے کہ لوگوں کا یہ خیال کہ ثواب مردوں کو ہی پہنچتا ہے غلط ہے بلکہ زندوں اور آئندہ آنے والوں سب کو پہنچتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان زندہ اور مردہ سب یکساں ہیں۔ جس کو ثواب پہنچاؤ اس کو پہنچتا ہے۔ پہنچانے والوں کو اختیار ہے کہ چاہیں زندوں کو پہنچائیں یا مردوں کو۔ مگر ایسا ثواب نہیں پہنچتا' جیسا جاہل گمان کرتے ہیں کہ اگر ٹھنڈی چیز دو تو مردے کو ٹھنڈک پہنچتی ہے اور گرم دو تو گرمی کا اثر ہوتا ہے۔

جیسا کسی پیر کی فاتحہ گرم کھیر پر دی تھی تو پیر نے کہا میری زبان میں چھالہ پڑ گیا یہ بالکل غلط' اور میں اس کی غلطی آج ہی ثابت کردوں گا۔ زندوں کو ثواب پہنچنا تو ثابت ہے پس اس کا امتحان آج ہی کرلو۔ کوئی گرم گرم کھانا کسی زندہ پیر کو بخشو پھر اس کا منہ کھول کر دیکھو کہ

چھالے پڑے یا نہیں۔ اب محرم کا مہینہ قریب آتا ہے لوگ شربت کی سبیلیں جابجا[۱] مقرر[۲]
کریں گے تو شربت کی تخصیص[۳] کیوں کرتے ہو۔ اسی خیال سے کہ شہداء پیاسے انتقال فرما گئے
تھے۔ شربت سے ان کو تسکین ہو گی' تو صاحبو کیا آپ کے نزدیک شہدا اب تک پیاسے ہیں؟
اور اسی تمہارے شربت کے پیاسے ہیں' استغفراللہ! انہوں نے مرتے ہی حوض کوثر کا وہ
شربت پیا ہے کہ جس سے پیاس کا نام بھی نہیں رہا۔ اور تمہارے دلوں میں شہدا کی اتنی ہی
قدر ہے اور تم سمجھتے ہو کہ وہ اب تک پیاسے ہیں تو پیاس تو شربت سے بجھتی ہے وہ ان کے
پاس کہاں پہنچا' وہ تو دنیا ہی کے دس بیس آدمی پی گئے۔ ان کو تو اس کا ثواب پہنچا' تو کیا وہ ٹھنڈا
ہے؟ خیال تو کیجئے کتنی بے اصل بات ہے اگر شربت ہی بخشنا ہے تو چاہیے کہ جب محرم کا
مہینہ جاڑوں میں آئے تو چائے پلایا کرو۔ اس وقت شربت پلانے کے کیا معنی؟ جس سے پینے
والوں کو الٹا زکام ہو جائے گا اور پھر وہ بزبان حال بددعا دے گا۔ غرض یہ خیالات تو غلط مگر
اموات[۵] کو ثواب بے شک پہنچتا ہے۔

محسن اعظم ﷺ کی طرف سے قربانی

مگر سب سے زیادہ اس کے مستحق تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے
احسانات بے شمار ہیں۔ پھر غضب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو بھول جائیں اور آپ ﷺ کی
طرف سے قربانی نہ کریں۔ خصوصاً" جب کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہمیں کسی
موقع پر فراموش نہیں فرمایا' یہاں تک کہ قربانی میں بھی یاد فرمایا۔ تو اگر سال بھر میں دو تین
روپے آپ کی طرف سے قربانی کرنے میں صرف ہو گئے تو کون سی دشوار بات ہے اور خوب
سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس
سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ بوجہ ظاہری
موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں ورنہ واقع میں آپ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات بہت قوی
ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں
سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز
نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ شہدا جن کی

۱۔ جگہ جگہ ۲۔ لگائیں گے ۳۔ خاص کرنا ۴۔ اللہ معاف فرمائے ۵۔ مردوں

حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہدا کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان نبی اللہ حی یرزق۔ (انبیاء اللہ زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے) اب یہ بات رہ گئی ہے کہ جب مردوں کی طرف سے قربانی جائز ہے تو گوشت کو کیا کیا جائے۔ اس میں تفصیل ہے اگر مردہ یہ وصیت کر کے مرا ہے کہ میرے مال میں سے قربانی کر دیجیو۔ مثلاً" ذی قعدہ میں کوئی مرا اور اس نے یہ وصیت کی تو اس کے قربانی کے گوشت کو تو خیرات کرنا واجب ہے اور اگر اس کے مال سے نہیں کہ خواہ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو تو اس کے گوشت کا وہی حکم ہے جو اپنے مال سے قربانی کرنے کا حکم ہے۔

غنی اور فقیر کا فرق

ایک مسئلہ یاد کرنے کے قابل اور ہے جس کی بہت ضرورت ہوتی ہے کہ اگر غنی قربانی کرے تو اس کے اور احکام ہیں۔ اگر قربانی کرنے والا غنی ہو تو یہ حکم ہے کہ اگر وہ کوئی حصہ خریدے تو اس کو جائز ہے کہ اس کے عوض میں دوسرا بدل لے اور اگر دوسرا حصہ خرید لیا اور پہلا بھی موجود تھا تو اس کے ذمہ ایک ہی واجب ہے لیکن اگر دوسرا حصہ پہلے سے کم قیمت ہو تو درمیانی قیمت کا تصدق[1] مستحب ہے۔ مثلاً" پہلا حصہ تین روپے کا تھا اور دوسرا حصہ دو روپے کا تو اس کو غنی کو ایک روپیہ صدقہ کر دینا مستحب ہے اور اگر دونوں کو ذبح کر دے تو بہتر ہے اور اگر وہ محتاج ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذمہ ابتدا" قربانی واجب نہیں، مگر جانور خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے تو جتنے جانور یا جتنے حصہ خریدے گا سب کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ البتہ اگر حصہ اپنا بدل لے تو ایک ہی حصہ واجب رہتا ہے اور حصوں کے وجوب[2] میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ غریب پر زیادہ سختی ہے حالانکہ شریعت نے کیا کیا؟ اس نے خود اپنے اوپر سختی کی کہ اول ایک جانور خریدا پھر دوسرا خرید لیا تو شریعت نے سختی کہاں کی؟ بلکہ اس کی تو یہاں تک رعایت ہے کہ اگر غریب کا جانور مرجائے تو اس کے ذمہ سے قربانی ساقط[3] ہے دوسرا جانور خریدنا واجب نہیں اور اگر غنی کا جانور مرجائے تو دوسرا خرید

۱۔ صدقہ کرنا ۲۔ واجب ہونا ۳۔ ختم

کر قربانی کرنی پڑے گی۔ پس مسئلہ یہ ہے کہ اگر غنی اپنے حصہ کو یا جانور کو تبدیل کرے تو جائز ہے مگر درمیانی قیمت کا تصدق واجب ہے اور اگر غنی نے بہ نیت قربانی کئی جانور خرید لئے تو اس کے ذمہ ایک ہی واجب ہے اور فقیر اگر ایک دو تین جانور خرید لے تو سب کی قربانی واجب ہے خوب سمجھ لو۔ مگر حصہ بدلنے کی صورت نازک ہے اگر غریب نے ایک حصہ خریدا پھر اس کو بدلنا چاہا تو اگر یہ کیا کہ دوسرا حصہ خرید کر پھر نیت پہلے کے بیچنے کی رکھی تو اس صورت میں دونوں واجب ہو گئے تو اس کو یوں کرنا چاہیے کہ دوسرا حصہ پہلے دوسرے آدمی کو خریدنے دے اس کے بعد اپنے حصہ سے بدل لے تو غریب کو شریک قربانی کرنا مشکل ہے اور ہو تو ایسا ہو کہ طبیعت کا بھی غریب ہو کہ بتلانے سے مان لے یہ بات بہت یاد کرنے کے قابل ہے۔

حرام جانور کی قربانی

ایک یہ مسئلہ ہے کہ بعض لوگ قربانی کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ جانور شریعت کی رو سے ملک طیّب[1] ہے یا ملک خبیث[2]۔ تو بعض دفعہ ملک خبیث ہوتی ہے وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں۔ گو واجب اتر جاتا ہے اور بعض دفعہ ملک ہی نہیں ہوتی جیسے چرائی کا بکرا کہ سال بھر میں ایک دفعہ زمیندار کو دیا جاتا ہے' یہ آمدنی حرام ہے کہ لینے سے بھی اس کا کوئی مالک نہیں اور وجہ یہ ہے کہ گھاس کسی کی ملک نہیں اس میں سب کا حق ہے وہ دو طرح ملک ہو سکتی ہے' کاٹنے سے یا کھیت کی طرح سینچنے[3] سے بھی ملک ہو جاتی ہے۔ مگر یہ جو ہزاروں بیگھہ کا رقبہ پڑا ہے وہاں کون آبپاشی کرتا ہے' تو کسی کی ملک نہیں ہے۔ اس سے سب کو انتفاع[4] جائز ہے اس کی مثال آب باراں[5] ہے کہ اس کا کوئی مالک نہیں تو گھاس کا بھی کوئی بھی مالک نہیں۔ جس کا کھرپا چل جائے تو مالک وہی ہے تو گھاس کے عوض جانور لینا ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے لیا تو وہ اس کی ملک میں نہیں آتا' بلکہ اسی کا ہے جس نے دیا ہے لینے والے کو اس میں کسی قسم کا تصرف[6] جائز نہیں۔ اور اگر اس کی قربانی کی تو ادا نہ ہو گی۔ بلکہ خود اس کے لئے اس کا تجویز کرنا معاذ اللہ[7] ایسا ہے جیسے غلیظ کو کسی بڑے عظیم الشان حاکم کے پاس "تحفہ" لے جائے۔ خدا کا خوف کرنا چاہیے اول تو یہ جانور لینا نہ چاہیے اور اگر شیطنت سر پر سوار ہو

۱۔ پاک ملکیت ۲۔ ناپاک ملکیت ۳۔ آب پاشی ۴۔ نفع اٹھانا ۵۔ بارش کا پانی ۶۔ رد و بدل ۷۔ اللہ پناہ دے

اور لے ہی لو تو اس کی قربانی تو نہ کرو' اور قربانی بھی کرو تو خدا کے لئے اسے خود ہی کھاؤ کسی اور مسلمان بھائی کو تو مت کھلاؤ۔ کوئی خود گوہ کھائے تو دوسروں کو تو نہ کھلائے۔

اکل حلال کا اثر

اور دعوت میں اس کی ہمیشہ رعایت کرو کہ حلال کھانا کھلاؤ خود حرام کھاؤ تو کھاؤ' دوسرے کو تو نہ کھلاؤ۔ دیکھو حرام کھانے سے دل میں ظلمت[1] ہوتی ہے اور اہل اللہ کو پتہ بھی چل جاتا ہے اور ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے حتی کہ[2] کبھی قے ہو جاتی ہے۔ جیسے مولانا مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ کاندھلوی کی مشہور کرامت تھی کہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو مشتبہ[3] کھانا کبھی ہضم نہیں ہوا' اسی وقت نکل جاتا تھا۔ ورنہ ظلمت اور پریشانی قلب تو ضرور ہوتی ہے تو کھانا ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں حکومت وغیرہ کسی چیز کا واسطہ نہ ہو کیونکہ دعوت واجب تو ہے نہیں مستحب ہے اور حرام کھانا کھلانا حرام ہے۔ تو جس کے پاس حلال کھانا نہ ہو اس کو کسی کی دعوت نہ کرنا چاہیے اور اس کی ضرورت کیا ہے کہ کھانا مرغن ہی کھلاؤ سادہ کھلاؤ مگر حلال ہو۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک حکایت بیان فرماتے تھے کہ دیو بند میں ایک عبداللہ شاہ تھے گھاس کھودا کرتے تھے۔ واقعی فقیری ان کی تھی اور آج کل تو فقیری دعوتیں کھانے کا نام رہ گیا تو وہ روزانہ آٹھ پیسے کی گھاس بیچتے تھے جس میں سے چار پیسے اپنی والدہ کو دیتے تھے اور دو پیسے خدا کے واسطے فقیروں کو دیتے تھے اور دو پیسے اپنے خرچ کے لئے خود رکھتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ان حضرات سے کہا کہ مولوی صاحبو! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا حضرت آپ کے پاس ہے کہاں جو دعوت کریں گے۔ فرمایا وہ جو خیرات کے پیسے نکالتا ہوں وہ جمع کرلوں گا۔ سب نے منظور کر لیا۔ واقعی دعوت بھی ایسوں کی کرے' آج کل تو اگر مرغی نہ ہو تو دعوت قبول نہیں کرتے۔ میرے ماموں ایک پیرزادے کی حکایت بیان کرتے تھے کہ وہ ایک جگہ پہنچے اور اپنی ایک مریدنی کے یہاں ٹھہرے اس نے طعام کا سامان کیا تو ایک دوسری مریدنی آئی اس نے اصرار کیا کہ میرے یہاں کھانا کھا لیجئے۔ پہلی مریدنی نے کہا کہ تیرے یہاں کیسے کھا سکتے ہیں ٹھہرے تو میرے یہاں۔ دونوں میں خوب لڑائی ہونے لگی تو پیرزادے نے کہا کہ اس میں لڑائی کی کیا بات ہے آج تو یہاں کھانے دو

۱۔ سیاہی ۲۔ یہاں تک کہ ۳۔ شبہ والا

تمہارے یہاں پھر کھالیں گے اس نے کہا بہت اچھا' مگر میں نے آج مرغ پکایا تھا مرغ کا نام سن کر پیر پھسل پڑے' پہلی سے کہنے لگے کہ بی تمہارا ہی کیا حرج ہے آج اسی کے یہاں کھانے دو تو پہلی مریدنی نے دوسری کو بڑی فحش بات کہی کہ جا تو پیر ہی سے ایسا کام کرا لے۔

خلاصہ یہ کہ آج کل کی پیرزادگی تو یہ رہ گئی ہے۔ ایک یہ حضرات تھے کہ گھاس کھودنے والے کی خشک دعوت قبول فرمالی اس سے بھی زیادہ میں سناؤں حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ایک حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لائے تو حکیم صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میرے یہاں تو آج فاقہ ہے اگر اجازت ہو تو اور کسی دوست کو کھانا پکانے کا مشورہ دوں۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں اگر تمہارے یہاں فاقہ ہے تو ہم بھی فاقہ ہی سے رہیں گے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات ہیں اللہ والے۔ شام کو مغرب کے قریب حکیم صاحب کے پاس کہیں سے کچھ روپے آگئے تو خوب دعوت کی۔ چنانچہ عبداللہ شاہ صاحب نے پانچ آنے جمع کئے اور پیسے لا کر دے دیئے کہ میں تو کہاں جھگڑا کروں گا۔ میرے اہل و عیال نہیں ہیں آپ خود میٹھے چاول پکا کر کھا لیجئے اور ایک لمبی فہرست بتلا دی کہ اتنے آدمیوں کی دعوت ہے جس میں سب بزرگ آگئے اور دعوت کا انتظام مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد ہوا۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بڑی احتیاط سے کام لیا کہ کوری ہانڈی منگائی اور پکانے والے کو وضو کرایا۔ جب وہ کھانا تیار ہوا تو دو دو لقمے سب نے اس میں سے کھائے مولانا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وہ دو لقمے کھا کر مہینہ بھر تک ایک نور دل میں رہا یوں جی چاہتا تھا کہ سب ماسوائے اللہ[1] کو چھوڑ کر یکسو ہو جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ! جس کی پاک کمائی کے دو لقموں میں یہ نورانیت ہے اس شخص کے قلب کی کیا کیفیت ہو گی۔ جو دونوں وقت یہی غذا کھاتا ہے یہ تو حلال کھانے کی حکایت تھی جس کا یہ اثر ہوا۔

حرام کی نحوست

ایک دوسری حکایت حرام کھانے کی مولانا نے خود اپنی بیان فرمائی کہ ایک رئیس کے یہاں سے لڈو آئے تھے اس میں سے میں نے ایک کھالیا۔ ایک ماہ تک قلب کی یہ حالت تھی

ا۔ اللہ تعالے کے علاوہ

کہ یوں وسوسہ ہوتا تھا کہ نعوذ باللہ[1] کوئی حسین عورت ملے تو متمتع[2] ہوں۔ فرماتے تھے کہ خدا خدا کر کے ایک مہینہ کے بعد اس کا اثر زائل ہوا اور میں سخت پریشان رہا۔ اگر حرام سے خود نہ بچو تو دوسروں کو تو مت کھلاؤ خصوصاً ایسے مال سے قربانی کرنا تو ہرگز نہ چاہیے۔ اس صورت میں تو چرائی کا بکرا ملک ہی نہیں ہوتا۔

جانور کے خریدنے میں احتیاط

ایک وہ صورت ہے کہ ملک تو ہو جاتی ہے مگر خبیث ہوتی ہے جیسے حصے پر جانور لیے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی گائے کا بچہ کسی دوسرے کو پالنے کے واسطے دیا اور اجرت یہ قرار دی کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو اس کی قیمت لگا کر نصفا نصف بانٹ لیں گے یا تو مالک آدھی قیمت دے کر اس کو لے لے گا یا پالنے والا آدھی قیمت دے کر لے لے گا۔ یہ عقد[3] ناجائز ہے۔ مگر پہلی صورت میں کہ مالک نے پالنے والے کو آدھی قیمت دے کر جانور اپنے پاس رکھا اس جانور میں کوئی خباثت[4] نہیں وہ حلال طیب[5] ہے اگرچہ عقد فاسد[6] کرنے کا گناہ ہوا اور دوسری صورت میں کہ پالنے والا جانور کو لے اور مالک کو آدھی قیمت دے اس کی ملک[7] خبیث[8] ہے اور برابر خبیث رہے گا۔ اس لئے ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں۔ کیونکہ ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب۔ (اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتے ہیں) اگرچہ قربانی کر دینے سے واجب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر مقبول نہیں۔

گوشت کی تقسیم

اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ کلہ پارچوں میں کمینوں کا حق سمجھا جاتا ہے تو اگر حق الخدمت[9] سمجھ کر دیا تو اس قدر گوشت کے برابر قیمت تصدق کرنا واجب ہے گو لوگ تو یہ کہا کرتے ہیں کہ قربانی ہی نہ ہو گی۔ تاکہ لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ اور بالکل نہ کریں۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس قدر گوشت کی قیمت تصدق کر دو تو لوگ دینا تو چھوڑیں گے نہیں اور تصدق بھی نہ کریں گے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا احکام صاف صاف ہم کو بیان کر دینا چاہئیں۔ جس کا دل چاہے مانے یا نہ مانے رہی اس کی دلیل کہ قربانی ہو جائے گی تو میں طالب

۱۔ اللہ کی پناہ ۲۔ نفع حاصل کرنا ۳۔ معاملہ ۴۔ ناپاکی ۵۔ پاک ۶۔ غلط معاملہ ۷۔ ملکیت ۸۔ ناپاک ۹۔ معاوضہ

علم کو بتادوں گا بعض عوام اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اب رہی یہ بات کہ کمین گالیاں دیں گے تو اہل ہمت کے لئے تو یہ جواب ہے کہ اگر گالی دیں بلا سے کچھ پرواہ نہ کرو بلکہ اور خوش ہونا چاہیے کہ اس کی نیکیاں تم کو مل رہی ہیں۔ ایک بزرگ کا قاعدہ تھا کہ ان کو جو کوئی گالی دیتا اس کو مٹھائی بھیجتے۔ اور راز اس میں یہی ہے کہ اس نے اپنی نیکیاں تمہیں دیں تو مٹھائی اس سے بہت کم قیمت ہے اس نے تم پر بڑا احسان کیا' اس لئے کیا اس کو مٹھائی دے کر بھی خوش کیا جائے۔ مگر اہل ہمت کو میں ایک اور مشورہ دیتا ہوں کہ ان کمینوں کو بالالتزام[1] نہ دیا کریں بھی کبھی دے دیا کریں۔ مگر جب دیں غریب سمجھ کر دیں۔ خدمتگار سمجھ کر نہ دیں۔ سو اس طرح دینے سے وہ اپنا حق نہ سمجھیں گے اور اگر گالیاں کھانے کی ہمت نہ ہو تو ہمیشہ دے دیا کرو۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دو کہ تیرا حق تو کچھ ہے نہیں مگر تجھ کو غریب سمجھ کر دیتے ہیں۔ اس میں بھی حرج نہیں مگر یہ کم ہمتی کی بات ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے جس کو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کئی شخصوں کے حصے ہوں تو سب کو بدون[2] تقسیم کئے ہوئے یا بعض کو تقسیم کر کے اور بعض کو مشترک تصدق[3] کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تو سن لو کہ جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کچھ مشترک تصدق ہو گیا ہو اور بقیہ کو تقسیم کر لو۔ مگر اندازے سے باٹنا حرام ہے اگر ایک طرف کچھ زیادہ کم چلا گیا تو سود کا گناہ ہوا۔ دیکھو! اگر چھٹانک بھر بھی ایک طرف زیادہ ہوا تو سود خواروں میں دونوں لکھے جائیں گے۔ ہاں اگر ایک طرف زیادہ گوشت ہو اور دوسری طرف کلے پائے ہوں تو جائز ہے کیونکہ جنس بدل گئی۔

کھال کا مصرف

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کھال کا مصرف معلوم کر لینا چاہیے۔ اس میں اکثر موذن ملا' مولیوں پر خفا ہوتے ہیں کہ انہوں نے ہماری آمدنی کم کر دی مگر میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ ہم کھال دینے سے منع نہیں کرتے کھال موذنوں ہی کو دو۔ مگر اس طرح جس طرح ہم کہیں کہ اجرت سمجھ کر مت دو۔ یعنی موذن مقرر کرتے وقت یہ نہ کہا جائے کہ بقرعید میں کھال بھی ملا کرے گی۔ یہ تو گویا تنخواہ ہو گئی بلکہ اس سے کہہ دو کہ کھال میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد تنخواہ مقرر کر دو۔ جب تنخواہ دے چکو تو کھال بھی دے دو۔ کیونکہ وہ بھی غریب ہے

۱۔ اہتمام کے ساتھ ۲۔ بغیر ۳۔ صدقہ

اور کھال میں غریبوں ہی کا حق ہے۔ تو ہم موذنوں کے خیر خواہ ہیں کہ تنخواہ الگ دلوائی، کھال الگ دلوائی۔ ہاں یہ جو میں نے کہا کہ کھال بھی دے دو یہ صیغہ وجوب[1] کا نہیں، بلکہ امر مستحب ہے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ان کی خاطر سے غیر واجب کو ہم واجب کہہ دیں۔ اور یاد رکھو کہ اگر امام و موذن کو مسجد میں مقرر کرتے وقت کھال دینے یا نہ دینے کا ذکر بھی نہ ہو، تب بھی کھال دینا جائز نہیں کیونکہ المعروف کالمشروط (معروف مثل مشروط کے ہوتا ہے) تو نہ سکوت جائز ہے نہ شرط ہاں یہ جائز ہے کہ اس وقت نفی کر دو اور وقت پر دے دو۔ اسی طرح سقے کی تنخواہ میں بھی کھال دینا جائز نہیں۔ اچھی آپ لوگوں نے اللہ میاں کے کاموں کی تنخواہ مقرر کی ہے یوں بیگار سمجھ کر قربانی کی کھال سے پوری کی جاتی ہے اور کسی غنی کو خود کھال کا دے دینا یا اپنے کام میں لانا جائز ہے مثلاً "ڈول بنوالو یا چرس بنوالو۔ مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر اپنے کام میں لاؤ اور وہ شے پرانی ہو کر فروخت کرو تو یہ دام پھر خیرات کرنے پڑیں گے۔ جیسے چرسہ بنوالیا اور وہ پرانا ہو گیا اور اس کو فروخت کیا تو ان داموں کو خیرات کرنا ضروری ہے اور مصرف اس کا وہی ہے جو تازی کھال کے داموں کا ہے کہ سید کو اور غنی کو اس کا دینا ناجائز ہے اور شروع وقت قربانی ۱۰ تاریخ ذی الحجہ کی بعد نماز عید کے ہے اور ختم ۱۲ تاریخ کے غروب سے پہلے تک ہے، لیکن دسویں کو افضل ہے اور گاؤں والوں کو جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی نماز سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔

ذبح کے مسائل

ایک مسئلہ اور قابل یاد رکھنے کے ہے کہ جانور کے گلے میں ایک گھنڈی[2] ہوتی ہے اس کے نیچے سے ذبح کرنا چاہیے۔ اوپر ذبح نہ کرے کہ اکثر فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں۔ احتیاط اسی میں ہے دیکھو ایک برتن میں اگر کھانا رکھا ہو اور ایک شخص کہتا ہو کہ اس میں کتے نے منہ ڈالا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں ڈالا تو تم اس کو ہرگز نہ کھاؤ گے اسی طرح جانور کے ذبح کرنے میں خصوصاً" قربانی کے معاملہ میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ بھی اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کہاروں اور چماروں کو بھی قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کام کی اجرت میں نہ دیا جائے۔ کتابوں میں قربانی کے جانور کے ذبح کرنے کی

۱۔ واجب ہونے کا لفظ ۲۔ ابھری ہوئی ہڈی

ایک دعا بھی لکھی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بغیر اس دعا کے بھی قربانی جائز ہو جاتی ہے یہ ضروری نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر آدمی جانور کو لیتے ہیں سب کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اگر ایک بھی نہ کہے گا تو قربانی نہ ہو گی یہ بالکل غلط ہے۔ صرف ذابح[1] کو کہنا ضروری ہے اور ذابح ایسا شخص ہونا چاہئے جو ذبح خوب سمجھتا ہو ہر شخص کے ہاتھ سے ذبح کرانا مناسب نہیں۔

اور بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔ صدقہ فطر پر اس کو قیاس[2] نہ کریں ایک بات زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ یہ کہ قصاب جانور کو ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا نہیں ہونے دیتے کھال کھینچنی شروع کر دیتے ہیں یہ حرام ہے۔ جب جانور خوب ٹھنڈا ہو جائے اس وقت کھال کھینچنا چاہئے۔ بعض لوگ نفس[3] ذبح پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جانور کو تکلیف دینا ہے ہم کہتے ہیں کہ ذبح میں تکلیف نہیں ہوتی۔ موت طبعی میں زیادہ ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہو تو جو محبوب حقیقی[4] کے امر[5] سے ہو وہ سب محبوب ہے۔

ایک مسئلہ ضروری یہ ہے کہ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ گابھن کی قربانی بھی درست ہے، جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔ پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہئے۔

اب میں ضروری احکام قربانی کے بیان کر چکا ہوں اگر کوئی اور مسئلہ دریافت کرنا ہو تو زبانی دریافت کر لیا جائے۔ بغیر پوچھے اپنی رائے سے عمل نہ کریں اب اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۱۔ ذبح کرنے والے ۲۔ خیال ۳۔ ذبح ۴۔ اللہ تعالیٰ ۵۔ حکم